فکر و نظر ـــــ اسلام آباد　　　جلد:۳۸　　　شمارہ:۴

سیرت نگاری کے ابتدائی مراحل

ڈاکٹر علی اصغر چشتی ☆

سیرت نگاری کی ابتداء

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی، ابتداء نبوت ہی سے آپ کے اصحاب کی غیر معمولی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے عین حیات یہ دستور شروع ہو چکا تھا کہ جب ایک صحابی دوسرے صحابی سے ملتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے حالات دریافت کرتا اور وہ اس کے جواب میں کسی تازہ وحی یا ارشاد رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتا۔ آپ ؐ کے وصال کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا گیا آپ ؐ کے پیروکاروں کے دل میں اپنے پیشوا کی ذاتِ مبارک، ان کے اخلاق و عادات اور ان کی تعلیم و تلقین کو دریافت کرنے کا شوق بڑھتا گیا۔ اس شوق و جستجو سے رفتہ رفتہ روایات کا ایک وسیع ذخیرہ پیدا ہوگیا جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ آخرکار جب مسلمانوں کے ہاں دوسری صدی ہجری میں تصنیف و تالیف کا رواج ہوا تو اہل علم نے ان روایات کو قلمبند کرنا اور ان کو مضامین کے اعتبار سے مرتب کرنا شروع کیا۔ جن روایات کا تعلق عقائد و عبادات سے تھا۔ اور جن سے فقہی احکام مستنبط ہو سکتے تھے ان سے علم حدیث کی کتابیں مدوّن ہوئیں اور ان روایات سے جن میں رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی مذکور تھے فنِ سیرت کا سرمایہ تیار ہوا اور وہ روایات جن میں رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے واقعات مذکور تھے فن مغازی کا موضوع قرار پائیں۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان کے غزوات کو تاریخی لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے اس لیے بعض اوقات ''مغازی'' کا اطلاق تمام فن سیرت پر ہوتا ہے۔

☆ صدر شعبۂ حدیث و سیرت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

سیرت اور مغازی کا مفہوم

سیرت کے لغوی معنی چال چلن اور روش کے ہیں، یہ لفظ صاحبِ سیرت کے پورے احوالِ زندگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ محدثین اور مورخین نے کتاب السیر کے نام سے رسول اللہ ﷺ کے حالات جمع کیے ہیں۔ جن میں مغازی کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ البتہ فقہاء کے نزدیک سیرت کے مفہوم میں یہ وسعت نہیں ہے۔

ان حضرات کے نزدیک جہاد اور غزوات میں رسول اللہ ﷺ نے مخالفین کے ساتھ جو معاملہ فرمایا ہے وہ سیرت کے زمرہ میں آتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی تصریح کی ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر کی تحقیق اور تجزیہ کے مطابق ابتداء میں مغازی کی اصطلاح محدود مفہوم کی حامل تھی، لیکن بعد میں اس کا مفہوم وسیع ہوگیا اور سیرت کی کتابوں کا نام ''کتاب المغازی'' پڑ گیا۔ چنانچہ مغازی عروہ بن الزبیر، مغازی ابان بن عثمان، مغازی محمد بن شہاب زہری، مغازی ابن اسحاق مغازی موسیٰ بن عقبہ اور واقدی وغیرہ سیرت کی کتابیں ہیں۔ اور ان میں مغازی کی طرح رسول اللہ ﷺ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔(۲)

علم حدیث اور مغازی کا باہمی تعلق

علم السیر و المغازی علمِ حدیث ہی کا ایک اہم حصہ ہے کیونکہ اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ان اقوال و افعال سے بحث ہوتی ہے۔ جن کا تعلق غزوات و سرایا سے ہے۔
امام حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں علم السیر والمغازی کو علوم الحدیث کی اقسام میں شمار کیا ہے۔(۳)

امام حاکم کی طرح خطیب بغدادی نے بھی سیر و مغازی کو علم حدیث میں شامل کیا ہے اور اپنی کتاب ''شرف اصحاب الحدیث'' میں لکھا ہے کہ حدیث میں انبیاء کے واقعات، زہاد و اولیاء کے احوال، بلغاء کے مواعظ، فقہاء کے کلام، عرب و عجم کے حکام کے فضائل، اُمم ماضیہ کے قصے، رسول اللہ ﷺ کے مغازی و سرایا کی تفصیلات، آپ ﷺ کے احکام و قضایا، خطب، مواعظ، معجزات، آپؐ کی ازواج مطہرات، اولاد و اصحاب اور ان کے فضائل و مناقب اور انساب و اعمار کا ذکر ہوتا ہے۔(۴)

من اراد المغازی فالمدینة

جن اسلامی علوم و فنون کی ابتداء مدینہ منورہ سے ہوئی ان میں حدیث اور فقہ و فتوی کی طرح علم سیر و مغازی بھی شامل ہے۔ جس کا تعلق علم حدیث سے ہے۔ یہیں سے جہاد فرض ہوا، یہیں سے غزوات و سرایا کی مہمات روانہ ہوتی تھیں اور یہیں واپس آ جاتی تھیں۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ مدینہ منورہ میں تقریباً دس ہزار صحابہ کا انتقال ہوا۔ عبداللہ بن عبدالکریم کا بیان ہے کہ وصال نبوی ﷺ کے وقت بیس ہزار صحابہ کرام مدینہ منورہ میں موجود تھے۔(۵)

مدینہ منورہ خاص طور سے علم المغازی کے لیے مشہور تھا اور اساتذہ و شیوخ اس کے لیے طلبہ کو مدینہ جانے کا مشورہ دیا کرتے تھے، امام سفیان بن عینیہ کا مشہور قول ہے "من اراد المغازی فالمدینہ" یعنی جو شخص مغازی سیکھنا چاہے وہ مدینہ منورہ کا رخ کرے۔(۶)

مدینہ غزوات و سرایا کا مرکز رہا۔ یہاں سیر و مغازی کے اولین علماء و مصنفین گزرے اور یہیں سے فن مغازی کی تدوین و تالیف کی ابتداء ہوئی۔ دوسرے شہروں کے علماء مغازی کا سلسلہ یہیں کے علماء اور رواۃ سے ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے یہیں مغازی کو مستقل فن کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اور یہیں کے تین ہم عصر علماء نے ایک ہی دور میں کتاب المغازی مرتب کی۔ عروہ بن الزبیر(م-۹۴ھ)۔ ابان بن عثمان (م۱۰۵ھ) اور محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (م۱۲۴ھ)۔

مدینہ میں تدوین مغازی کے دو دور

مدینہ میں مغازی کی تصنیف اور مصنفین کے دو دور ہیں۔ پہلا دور پہلی صدی کے نصف ثانی سے اس کے خاتمہ تک ہے جو اسلام میں باقاعدہ تصنیف و تالیف سے قبل تھا۔ اس میں مغازی و سیر کے مصنف مدینہ منورہ کے فقہاء تھے۔ جو دیگر علوم کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اس فن کے بارے میں بھی ماہر تھے۔

دوسرا دور دوسری صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں تالیف کا باقاعدہ سلسلہ چلا۔ علیحدہ علیحدہ موضوعات پر کتابیں لکھی گئیں۔ اس دور میں محدث، فقیہ، مفسر، مورخ وغیرہ

کے امتیازی القاب کا استعمال شروع ہوا۔

دورِ اول کے رواۃ

طبقہ صحابہ میں جن حضرات کی روایات کو علم السیر والمغازی میں تداول حاصل رہا ان میں جابر بن عبداللہؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن عباسؓ، رافع بن خدیجؓ، انس بن مالکؓ اور براء بن عازبؓ کے نام زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

ان کے بعد طبقہ صحابہ میں عقبہ بن عامر جہنیؓ، زید بن خالد جہنیؓ، عمران بن حصینؓ، نعمان بن بشیرؓ، معاویہ بن ابوسفیانؓ، سہل بن سعد ساعدیؓ، عبداللہ بن یزید خطمیؓ، مسلم بن مخلدؓ، ربیعہ بن کعب اسلمیؓ، ہند بن حارثہ اسلمیؓ، اسماء بن حارثہ اسلمیؓ وہ حضرات ہیں جو سیر و مغازی کی تدوین کے ابتدائی دور تک حیات رہے اور ان سے اس موضوع کی روایات نے رواج پایا۔ سیرت کا بیشتر سرمایہ انہی صحابہ کی بیان کردہ روایات و آثار پر مشتمل ہے۔

صحابہ کرام کے بعد ان کے تلامذہ یعنی تابعین کا دور ہے جنہوں نے احادیث و آثار اور سیر و مغازی کے واقعات اپنے شیوخ، اور خاندانی بزرگوں سے سن کر بیان کیے، اس طبقہ میں انصار اور مہاجرین اور دوسرے صحابہ کی اولاد کے پاس روایات و آثار کا سرمایہ نسبتاً زیادہ رہا۔ ان کے بعد تبع تابعین کا دور آیا جنہوں نے صحابہ اور تابعین کے علم کو آگے بڑھایا۔ سیرت کا تمام سرمایہ انہی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی روایات، معلومات، اقوال اور آثار سے جمع کیا گیا ہے۔(۷)

کتاب المغازی لعروۃ بن الزبیر المدنی

مدینہ منورہ کے تین ہم عصر مصنفین مغازی کے بارے میں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کس نے پہلے کتاب مرتب کی، اتنا معلوم ہے کہ عروہ بن الزبیر (م۹۴ھ) اور ابان بن عثمان (م۱۰۵ھ) نے سب سے پہلے مغازی پر کتابیں لکھی ہیں۔ اور محمد بن شہاب الزہری (م۱۲۴ھ) نے ان کے بعد اپنی کتاب مرتب کی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے عروہ کے بارے میں اپنی تاریخ ''البدایۃ والنھایۃ'' میں لکھا ہے۔

كان عالما، مامونا، ثبتا، حجة عالما بالسير، واوّل من صنف المغازی"
(ج۹—ص۱۰۱)

عروہ بن الزبیر بہت بڑے عالم تھے، قابل اعتماد تھے، فن سیر و مغازی کے ماہر تھے۔ اور مغازی کے فن میں اولین مصنف ہیں۔

کشف الظنون میں ہے:

ویقال اوّل من صنّف فیها عروہ بن الزبیر۔ (۸)

ابو عبداللہ عروہ بن الزبیر کے والد حضرت زبیر بن عوام عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان کی والدہ اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے آخری دور خلافت میں پیدا ہوئے۔ عروہ نے بہت سے صحابہ اور صحابیات سے حدیث کی روایت کی۔ فقہی روایات آپ نے اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے اخذ کیں۔ آپ حضرت زید بن ثابتؓ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔

عروہ جہاں فقہ و فتوٰی کے امام تھے وہاں مغازی و سیر کے عالم و مصنف تھے۔ غزوات و سرایا کے واقعات اپنی خالہ حضرت عائشہؓ اور والد حضرت زبیر بن عوامؓ سے سنتے تھے۔ آپ کے شیوخ میں عبداللہ بن عباس مغازی کے عالم و معلم تھے۔ اور اس فن تعلیم کے لیے باقاعدہ مجلس درس منعقد کرتے تھے۔

عروہ کی کتاب المغازی کی ترویج و اشاعت اس دور کے رواج کے مطابق روایت کے ذریعہ ہو گئی تھی اور آپ کے کئی تلامذہ نے آپ سے اس کی روایت کی۔ ابو الاسود محمد بن عبدالرحمان، جن کی تربیت عروہ نے خود کی تھی اس کے راوی اور معلم ہیں۔

ابوالاسود کے علاوہ محمد بن شہاب الزہری اور سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف نے بھی عروہ بن زبیر سے مغازی کی روایت کی ہے۔ ابوالاسود کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

نزل ابو الاسود مصر وحدّث بها كتاب المغازی لعروہ الزبیر عنها۔ (۹)

ابوالاسود نے مصر جا کر عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کی تعلیم انہی کی روایت سے دی۔

عروہ بن زبیر کی کتاب اگرچہ احوال و اوضاع کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکی تاہم ابو الاسود اور دیگر رواۃ کی روایت سے اس کی روایات متداول رہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابوالاسود کی سند سے عروہ کی روایات سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور ان روایات کو مستند قرار دیا ہے۔

ابن ندیم نے ابو حسان حسن بن عثمان زیادی (م ۲۴۳ھ) کی تصانیف میں عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کا تذکرہ کیا ہے۔ ابو حسان زیادی بغداد کے قاضی اور واقدی کے تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں مغازیٔ عروہ بن زبیر کا شمار اس لحاظ سے ہے کہ انہوں نے عروہ کی کتاب المغازی میں اضافہ کر کے مستقل کتاب مدوّن کر لی تھی۔

ابان بن عثمان مدنی

عروہ بن زبیر کے ہم عصر علمائے سیر و مغازی میں ابان بن عثمان (م۱۰۵ھ) کا نام نامی بہت نمایاں ہے۔ آپ کی ولادت ۲۰ھ میں ہوئی۔ مدینہ کے فقہاء میں آپ کا شمار تھا۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے بھرپور استفادہ کیا۔ آپ نے اپنے والد سیدنا عثمان بن عفانؓ اور سیدنا اسامہ بن زیدؓ سے بھی روایات اخذ کی ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے، ان میں محمد بن شہاب زہری اور مغیرہ بن عبدالرحمان زیادہ مشہور ہیں۔ مغیرہ کتاب المغازی کے راوی ہیں۔

ابان بن عثمان نے ۸۲ھ سے قبل کتاب المغازی لکھی۔ زبیر بن بکار (م۲۵۶ھ) نے اپنی کتاب فی اخبار میں لکھا ہے کہ ۸۲ھ میں سلیمان بن عبدالملک حج کے سلسلہ میں حجاز چلے گئے۔ یہ اس کی ولی عہدی کا دور تھا۔ مدینہ کے اعیان و اشراف استقبال کے لیے نکلے۔ سلیمان نے ابان بن عثمان، عمرو بن عثمان اور ابوبکر بن عبداللہ کے ساتھ مدینہ منورہ کے متبرک مقامات کی زیارت کی۔ جن جگہوں میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، یا صحابہ شہید ہوئے سب کو دیکھا۔ پھر جبل احد اور مقام ابراہیم کی زیارت کرتا ہوا قبا تک گیا اور ہر مقام کے بارے میں ابان بن عثمان اور دیگر اہل علم سے معلومات حاصل کرتا رہا۔ اور یہ حضرات اس کو تفصیلات بتاتے رہے۔ قبا پہنچ کر سلیمان بن عبدالملک نے ابان بن عثمان

سے کہا کہ آپ میرے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیر اور مغازی، کتابی شکل میں مرتب و مدون کر دیں۔ ابان نے جواب دیا کہ میں پہلے ہی اس موضوع پر روایات جمع کر چکا ہوں، سلیمان بن عبدالملک نے اس کتاب کو نقل کرنے کا حکم دیا بلکہ دس کاتبوں کو مقرر کر کے کتاب ان کے حوالہ کر دی اور انہوں نے کھال میں اسے نقل کر دیا۔(۱۰)

سلیمان بن عبدالملک اور عبدالملک بن مروان نے بعد میں اس کاپی کے ساتھ کیا سلوک کیا یہ ایک الگ بحث ہے۔ بہرحال کتاب المغازی کا اصل نسخہ ابان بن عثمان کے پاس محفوظ رہا، آپ کے شاگرد مغیرہ بن عبدالرحمان کی روایت سے منتقل ہوتا رہا۔

مغیرہ بن عبدالرحمان نے کتاب المغازی کی تعلیم و تدریس کے لیے بڑا اہتمام کیا۔ آپ اپنی اولاد اور تلامذہ کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے اور اس کی ترویج کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ ابن سعد نے ان کے صاحبزادے کے حوالہ سے لکھا ہے:

قال یحیی بن المغیرہ بن عبدالرحمان عن أبیه أنه لم یکن عنده خط مکتوب من الحدیث الامغازی النبی ﷺ اخذھا من ابان بن عثمان، فکان کثیراً ما تقرأ علیه و أمرنا بتعلیمها۔(۱۱)

یحییٰ بن مغیرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس حدیث کا کوئی لکھا ہوا صحیفہ نہیں تھا۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کے مغازی کتابی شکل میں محفوظ تھے، جو انہوں نے ابان بن عثمان سے حاصل کیے تھے اور انہوں نے ہم کو ان کے اخذ کرنے کی ہدایت کی تھی۔

ابن سعد نے انہی الفاظ میں واقدی کا قول نقل کیا ہے:

وروی عنها، وکان قلیل الحدیث الامغازی رسول اللهؐ أخذها من ابان بن عثمان، وکان کثیرا ما تقرأ علیه، ویأمرنا بتعلیمها۔(۱۲)

مغیرہ بن عبدالرحمٰن سے علماء حدیث نے استفادہ کیا ہے۔ مغیرہ قلیل الحدیث تھے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کے مغازی کی تعلیم ابان بن عثمان سے حاصل کی تھی اور بسا اوقات اس کی تعلیم ان سے حاصل کی جاتی تھی۔ اور وہ ہم کو اس کی تعلیم کا حکم دیتے تھے۔

محمد بن اسحاق نے بیرمعونہ کے ذکر میں ابان بن عثمان سے ایک طویل روایت بیان کی ہے۔ ابان کے شاگردوں میں یعقوب بن عتبہ ثقفی مشہور محدث اور سیر و مغازی کے عالم تھے۔ ابن اسحاق نے یعقوب بن عتبہ سے گیارہ روایات اخذ کی ہیں۔ تاریخ طبری میں بھی یعقوب بن عتبہ کی روایات اچھی خاصی تعداد میں ملتی ہیں۔

کتاب المغازی لابن شہاب

ابتدائی دور سے تعلق رکھنے والے فن سیر و مغازی کے تیسرے مصنف ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب زہری (م۱۲۴ھ) ہیں۔ امام زہری علمائے تابعین میں دینی و علمی جامعیت میں بے مثال اور سیر و مغازی کے مصنف و امام تھے۔ اور اس فن کو دنیا و آخرت کا علم قرار دیتے تھے۔ ان کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن مسلم کا بیان ہے:

سمعت عمیّ الزهری یقول: علم المغازی علم الآخرة والدنیا۔(۱۳)

میں نے اپنے چچا زہری کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ علم المغازی آخرت اور دنیا میں کام آنے والا علم ہے۔

امام زہری مغازی کا درس دیتے وقت اپنے شاگرد محمد بن اسحاق کی روایات کو بڑی اہمیت سے بیان کرتے تھے۔ عمر بن عثمان کا بیان ہے کہ زہری ابن اسحاق کی ان روایات کو فوراً قبول کر لیتے تھے۔ جن کو انہوں نے عاصم بن قتادہ سے روایت کیا ہے۔ ایک بار امام زہری سے ابن اسحاق کی کتاب المغازی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا: "هذا اعلم الناس بها" یہ مغازی کے سب سے بڑے عالم ہیں۔(۱۴)

صحیح بخاری کی کتاب المغازی کی ایک روایت میں انہوں نے اپنی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔ غزوہ بدر کے سلسلہ میں امام بخاری نے روایت کی ہے:

عن موسی بن عقبه، عن ابن شهاب قال: "هذه مغازی رسول الله ﷺ فذکر الحدیث"(۱۵)

موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے کہ ابن شہاب نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے مغازی ہیں اس کے بعد واقعہ بیان کیا۔ حافظ ابن حجر نے ھذہ کا مشار الیہ

زہری کی کتاب المغازی کو بتایا ہے۔

غالباً زہری نے یہ کتاب پہلی صدی کے خاتمہ پر لکھی جب انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے احادیث کی تدوین کا کام کیا۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے زہری نے علم حدیث کو مدوّن کیا ہے۔[۱۶]

زہری مدینہ منورہ سے شام چلے گئے، جہاں اموی خلفاء نے ان کی خوب خاطر مدارت کی اور ان کے علوم و فنون کو مدوّن کرایا، عبدالملک بن مروان نے ان کو اپنے مقربین میں شامل کیا۔ ہشام بن عبدالملک نے ان کو اپنی اولاد کا اتالیق مقرر کیا۔ یزید بن عبدالملک نے ان کو عہدۂ قضا پر فائز کیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دورِ خلافت میں زہری کو عالم اسلام کا سب سے بڑا عالم قرار دیا اور ان سے کتابیں لکھوائیں۔ دو کاتب مقرر کیے، جنہوں نے دو سال تک ان کے علوم کو کتابی شکل میں جمع کیا۔[۱۷]

امام زہری کے شاگرد معمر بن راشد کہتے ہیں: ہم سمجھتے تھے کہ ہم نے زہری سے بہت زیادہ علم حاصل کیا ہے۔ مگر جب ولید بن یزید کا قتل ہوا تو اس کے خزانہ سے زہری کی کتابیں چوپایوں پر لاد کر لائی گئیں۔ تب ہمیں اندازہ ہوا کہ زہری کے پاس اس سے کئی گنا زیادہ علم تھا جو ہم نے ان سے حاصل کیا تھا۔[۱۸]

فن مغازی میں زہری کی جامعیت کا اعتراف ان کے معاصرین کو بھی تھا۔ امام مالکؒ نے ایک مرتبہ زہری کی درس گاہ سے اٹھنے کے بعد ان سے کوئی سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے سبق سننے کے بعد کسی استاد سے دوبارہ نہیں پوچھا۔ یہ سن کر عبدالرحمٰن بن مہدی تعجب سے کہنے لگے کہ زہری مغازی کی اتنی طویل روایات کیسے یاد کر لیتے ہیں۔[۱۹]

زہری کے بہت سے تلامذہ نے ان کی کتاب المغازی کی روایت کی جن میں موسیٰ بن عقبہ ممتاز ہیں۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں:

> کتاب موسی بن عقبه عن الزهری من اصح الکتب۔[۲۰]
>
> زہری سے روایت کی ہوئی، موسی بن عقبہ کی کتاب فن مغازی کی سب سے صحیح کتاب ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں مغازی کے ذکر میں چالیس سے زیادہ روایات ابن شہاب

زہری کی نقل کی ہیں، جن میں اکثر موسیٰ بن عقبہ عن الزہری کی سند سے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ مغازی موسیٰ بن عقبہ امام زہری کی روایات کا مجموعہ ہے۔(۲۱)

امام زہری کے دوسرے شاگرد جن سے ان کی کتاب المغازی کی روایت کا سلسلہ چلا، معمر بن راشد صنعانی ہیں۔ معمر کی کتاب المغازی درحقیقت زہری کی کتاب المغازی کا نسخہ ہے جس میں دوسرے شیوخ کی روایات بھی آئی ہیں۔ امام زہری کے شاگرد محمد ابن اسحاق ان سے مغازی کی روایت کرنے میں سب سے آگے ہیں۔

عبدالرزاق بن ہمام صنعانی نے اپنے شیخ معمر بن راشد کی کتاب المغازی کی روایت کر کے اس میں دوسری روایات کو بھی شامل کیا اور یہ کتاب المغازی عبدالرزاق بن ہمام کی طرف منسوب ہوئی۔ جس کا بیشتر حصہ معمر بن راشد کی روایت سے ابن شہاب زہری کی کتاب المغازی کا ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں یہ کتاب پانچویں جلد کے ص ۳۱۲ سے ص ۴۹۲ تک ہے جس کی زیادہ تر روایات کی طباعت و اشاعت کے بعد زہری کی کتاب المغازی کا اچھا خاصا حصہ محفوظ ہو گیا ہے۔

امام زہری کے تلامذہ

امام زہری کے تین تلامذہ ایسے ہیں جنہوں نے فن مغازی و سیر میں اپنے شیخ کی روایات کو جمع کیا اور اس ضمن میں ایسا علمی کام کیا جسے اساس اور بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ ان تین حضرات میں سے معمر بن راشد کا تذکرہ اختصار کے ساتھ ہوگیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق کے بارے میں یہاں اجمالاً گفتگو کی جا رہی ہے۔

۱۔ موسیٰ بن عقبہ

موسیٰ بن عقبہ حضرت زبیر بن عوام کے موالی میں سے تھے۔ انہوں نے عہد رسالت کی اخبار و روایات کے جمع کرنے میں کمال جاں فشانی کا ثبوت دیا یہاں تک کہ "صاحب المغازی" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ امام مالک بن انسؒ آپ کے بڑے مداح تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ اگر فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ بن عقبہ سے سیکھو۔ اس لیے کہ وہ قابل اعتماد ہیں۔

موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے روایات کی صحت کا پورا پورا اہتمام کیا ہے۔ کم عمر اور ناقص رواۃ کی روایات سے اجتناب کیا۔ آپ نے محض ان روایات کو جمع کیا۔ جن کے راوی ثقہ اور عادل تھے۔ موسیٰ بن عقبہ کے مغازی کی روایت ان کے بھتیجے اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ نے کی ہے۔ یہ کتاب مدت تک شائع رہی، واقدی، ابن سعد اور طبری کی کتابوں میں اس کے حوالے کثرت سے ملتے ہیں۔ لیکن مرورِ ایام سے آخر کار ناپید ہوگئی۔ اس وقت اس کا جو حصہ ملا ہے، اسے پروفیسر ایڈورڈ زخاؤ نے جرمنی ترجمے کے ساتھ ۱۹۰۴ء میں شائع کر دیا تھا۔

موسیٰ کی کتاب محدود معنوں میں مغازی پر مشتمل نہیں ہے۔ ابن سعد کی تیسری اور چوتھی جلد کے اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ موسیٰ کی کتاب میں حبشہ کو ہجرت کرنے والوں کی فہرستیں شامل تھیں۔ اسی طرح العقبہ کی دونوں بیعتوں میں حصہ لینے والوں کی فہرست بھی اس میں موجود تھی۔ اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جنگ بدر میں لڑنے والوں کی تفصیل بھی اس کتاب میں دی گئی تھی۔ اس ضمن میں امام مالکؒ کا قول ہے۔

من کان فی کتاب موسی قد شهد بدراً فقد شهدها، ومن لم یکن فیه فلم یشهدها۔ (۲۲)

موسیٰ کی کتاب میں جس شخص کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ وہ بدر میں موجود تھا وہ ضرور تھا اور جس کا نام اس میں نہیں ہے وہ وہاں نہیں تھا۔

موسیٰ بن عقبہ اسناد کا التزام کرتے ہیں۔ اور ان کے جو اقتباسات محفوظ ہیں ان میں شاید ہی کہیں کوئی سند محذوف ہوئی ہو مگر ان اسناد سے یہ اندازہ ہونا بہت مشکل ہے کہ موسیٰ نے ان میں کتنا مواد کتابوں سے لیا ہے۔ (۲۳)

موسیٰ کی کتاب میں تاریخی ترتیب سے لکھے ہوئے واقعات بھی ملتے ہیں اور کچھ انہوں نے نقل بھی کیے ہیں۔ یحییٰ بن معین کا قول ہے:

کتاب موسی بن عقبه عن الزهری اصح الکتب۔ (۲۴)

موسیٰ بن عقبہ کی کتاب زہری کی روایت سے سب سے صحیح کتاب ہے۔

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں:

علیکم بمغازی موسیٰ، فانه ثقة۔(۲۵)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

وعند موسی بن عقبه فی المغازی و هی اصح ما صنف فی ذلک عندالجماعة۔(۲۶)

حافظ ابن حجر کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب ان کے دور تک محفوظ اور متداول تھی۔

محمد بن اسحاق مدنی

امام زہری کے تلامذہ کی صف میں تیسری شخصیت محمد بن اسحاق کی ہے۔ جن کی تالیف کتاب المغازی نے ان کے تمام ہم عصر اور پیش رو علماء کی شہرت کو ماند کر دیا ہے ان کی تالیف سیرۃ کے موضوع پر پہلی تحریر ہے جو اقتباسات کی شکل میں نہیں بلکہ ایک مکمل اور صحیح کتاب کی صورت میں ملی ہے۔

ابوبکر محمد بن اسحاق بن یسار (م۱۵۱ھ) مدینہ میں رہے، آپ کے شیوخ کی فہرست بہت طویل ہے جن میں ابان بن عثمان، محمد بن شہاب زہری، عاصم بن قتادہ انصاری، یعقوب بن عقبہ ثقفی، سعد بن ابراہیم اور ہشام بن عروہ مغازی کے امام اور مصنف ہیں۔ علی بن عبدالمہدی کا قول ہے کہ اہل مدینہ کی روایات کا مدار محمد بن شہاب زہری کے بعد مالک بن انس اور محمد بن اسحاق پر ہے۔(۲۷)

ابن اسحاق نے مغازی پر شروع ہی سے خاص توجہ دی تھی۔ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں مغازی حفظ کر لیا تھا بعد میں بھول گیا تو دوبارہ یاد کر لیا۔ علم المغازی میں ان کی جامعیت اور شہرت کا حال یہ تھا کہ ان کے شیخ امام زہری سے ان کی مغازی کے بارے میں سوال کیا گیا تو استاد نے اپنے شاگرد کے بارے میں یہ شہادت دی: "هو أعلم الناس بها"۔

ابن اسحاق نے عاصم بن عمر سے مغازی کی جو روایات بیان کی ہیں، امام زہری ان کو بڑے اطمینان سے لیا کرتے تھے۔ امام احمد ابن اسحاق کے بارے میں کہتے تھے کہ مغازی کی روایات ان سے اخذ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

من اراد ان يتشرف فى علم المغازى فهو عيال على محمد بن اسحاق۔

سیرت ابن اسحاق کی روایات متعدد طرق اور اسناد کے ساتھ پھیلی ہیں۔ ان میں سب سے مشہور سند ابن ہشام عن البکائی کی ہے اور سب سے اہم اور قابل اعتماد روایت ابن بکیر کی ہے۔ سیرت ابن اسحاق پہلے نایاب تھی لیکن بعد میں اس کا ایک حصہ مسجد القرویین فاس میں دستیاب ہوا۔ یہ حصہ پہلے جزء پر مشتمل ہے۔

ابو معشر السندی

ابو معشر یحییٰ بن عبدالرحمان سندی (م ۱۷۰ھ) ابن اسحاق کے معاصرین میں سے ہیں۔ ابو معشر مدینہ کے فقہاء و محدثین میں خاص مقام و مرتبہ کے مالک تھے۔ مگر ان کی شہرت سیر و مغازی کے عالم و مصنف کی حیثیت سے زیادہ ہے، فن مغازی میں ان کے شیخ ہشام بن عروہ اور شاگرد واقدی ہیں۔

ابو معشر نے مغازی کا زیادہ حصہ علماء مدینہ کی مجالس میں ان سے سن کر یاد کر لیا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے محمد بن ابو معشر سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کے والد نے مغازی کیسے یاد کی؟ انہوں نے بتایا: تابعین حضرات ان کے شیخ کے پاس بیٹھ کر مغازی کا تذکرہ کرتے تھے اور والد یاد کر لیا کرتے تھے۔[۲۹]

ابن اسحاق کی طرح ابو معشر نے بھی بغداد میں کتاب المغازی لکھی۔ ابو جعفر منصور نے مہدی کے لیے ابن اسحاق سے کتاب المغازی لکھنے کی فرمائش کی اور خود مہدی نے ابو معشر کو اپنے یہاں بلا کر کتاب المغازی لکھنے میں تفصیلات فراہم کیں۔ ابو معشر کے شاگرد واقدی کو خلیفہ ہارون رشید مدینہ سے بغداد لے گیا تھا۔ اور انہوں نے وہیں ابو معشر سے ان کی کتاب المغازی کی روایت کی۔ ابن سعد نے طبقات میں واقدی کی سند سے ابو معشر کی بہت سی روایات بیان کی ہیں۔ ان کی کتاب کے راوی محمد بن ابو معشر سندی بغدادی ہیں۔ جو ان کے ساتھ مدینہ سے بغداد گئے تھے اور محمد بن ابو معشر سے ان کے صاحبزادے ابو سلیمان داؤد بغدادی نے اس کتاب کی روایت کی اور ان سے قاضی احمد بن کامل نے روایت کی۔ خطیب نے داؤد بن محمد بن ابو معشر کے حال میں لکھا ہے۔

له عن ابيه، عن ابی معشر کتب المغازی، رواه عنه احمد بن کامل القاضی[۳۰]

ابو معشر کی کتاب کے ساتھ بھی اہل علم نے اعتناء کیا۔ اور وہ مدتوں ان میں متداول رہی۔ فتح الباری میں بھی جا بجا اس کے حوالے سے روایات موجود ہیں۔

محمد بن عمر واقدی مدنی (م۲۰۷ھ)

ابو معشر کی طرح محمد بن عمر واقدی کا تعلق بھی مدینہ سے رہا۔ واقدی نے ابن جریج، اوزاعی، ابن ابی کعب، مالک بن انس، سفیان ثوری، ربیعہ رائی، ابو معشر سندی اور محمد بن عبداللہ وغیرہ سے روایت کی۔

ان سے ان کے تلمیذ خاص اور کاتب محمد بن سعد، ابو حسان زیادی محمد بن اسحاق اور ابوبکر بن شیبہ وغیرہ نے استفادہ کیا۔

بغداد جانے سے پہلے واقدی مدینہ میں مسجد نبوی میں باقاعدہ مغازی کا درس دیتے تھے۔ یوسف بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ہم نے دیکھا کہ واقدی مسجد نبوی کے ایک ستون کے پاس درس دے رہے ہیں۔ پوچھا کہ کس چیز کا درس دے رہے ہیں؟ تو کہا کہ ''جزء من المغازی'' یعنی مغازی کے ایک حصہ کا۔[۳۱]

واقدی ۱۸۰ھ میں بغداد گئے، جہاں اُن کو بڑی شان و شوکت کی زندگی ملی۔ بغداد کے قاضی بنائے گئے۔ انہوں نے کتاب المغازی کہاں لکھی۔ اس کی تصریح نہیں ملتی ہے۔ البتہ کتاب کی مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تدوین مدینہ میں ہوئی۔ درمیان میں کچھ دنوں شام میں بھی رہے ہیں۔

واقدی کے یہاں دو آدمی ان کی کتابیں لکھنے اور نقل کرنے پر مقرر تھے۔ وفات کے بعد چھ سو بنڈل کتابوں کے چھوڑے۔ ہر بنڈل میں دو آدمیوں کے بوجھ بھر کتابیں تھیں۔

واقدی کی کتاب المغازی ہر دور میں علماء کے نزدیک معتبر رہی ہے۔ اور انہوں نے کتب حدیث کی طرح اس کی سماعت و روایت کی ہے۔ محمد بن عباس بغدادی (م۳۸۲ھ) نے بڑی بڑی کتابوں کی روایت کی ہے جن میں ابن سعد کی کتاب الطبقات، مغازی

واقدی اور مغازی سعید اموی بھی شامل ہے۔[۳۲]

واقدی کی کتاب تین بار چھپ چکی ہے۔ پہلی بار ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے ۱۸۵۵ء میں شائع ہوئی۔ دوسری بار مصر سے شائع ہوئی۔ اور تیسری بار ۱۹۶۴ء میں دارالمعارف قاہرہ سے ڈاکٹر مارسدن جونس کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ تین ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔

محمد بن سعد بصری بغدادی

ابو عبداللہ محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ) واقدی کے شاگرد رشید اور کاتب الواقدی کے لقب سے مشہور ہیں۔ حدیث و فقہ، سیر و مغازی، تاریخ، اخبار و احادیث کے ثقہ امام ہیں۔ ان کی ولادت بصرہ میں ۱۶۸ھ کی حدود میں ہوئی۔ خطیب نے لکھا ہے کہ محمد بن سعد اہل علم وفضل میں سے ہیں، انہوں نے صحابہ و تابعین اور اپنے زمانہ تک کے طبقات میں بہت بڑی کتاب تصنیف کی ہے۔[۳۳]

طبقات ابن سعد کی ابتدائی دو جلدیں سیرت اور مغازی کے بیان میں ہیں۔ ابتدائی جلد میں سیر و مغازی کے اپنے شیوخ کے نام دیئے ہیں۔ محمد ابن عمر واقدی، عمر بن عثمان، موسیٰ بن محمد، محمد بن عبداللہ، موسیٰ بن یعقوب سے لے کر محمد بن صالح تمار تک تمام شیوخ کی فہرست دی ہے جن سے ابن سعد نے براہ راست روایت کی ہے ان کے علاوہ محمد بن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، ابو معشر سندی سے اپنے سلسلۂ سند سے روایت کی ہے۔ اور اپنے استاد واقدی کی طرح ان سب کی روایات کو یکجا کر کے کتاب المغازی مرتب کی ہے جو الطبقات الکبریٰ میں شامل ہے۔ یہ کتاب یورپ اور بیروت میں آٹھ جلدوں میں چھپی ہے۔ پروفیسر ایڈورڈ زخاؤ نے ایک جماعت کے ساتھ مل کر اس کو ایڈٹ کیا ہے۔ اس کتاب کے راوی حسین بن محمد بغدادی (م۲۸۹ھ) ہیں۔ علماء کے نزدیک نہایت مستند اور معتبر ماخذ ہے۔

کتاب المغازی، عبدالملک بن ہشام۔

سیرت ابن ہشام

ابو محمد عبدالملک بن ہشام بصری (م۲۱۸ھ) کا وطن بصرہ ہے۔ مگر مصر میں مستقل طور

سے آباد ہوکر وہیں ۲۱۸ھ میں فوت ہوئے۔ تاریخ، سیر و مغازی، انساب، ادب اور نحو کے مشہور عالم و مصنف تھے۔ انہوں نے محمد بن اسحاق کے شاگرد رشید زیاد بن عبداللہ کوفی کی ابن اسحاق سے روایت کردہ کتاب المغازی کو اصل قرار دے کر اس میں حک و اضافہ کیا اور اس کی تنقیح کی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

> ابو محمد عبدالملک بن ہشام صاحب المغازی ہیں۔ جنہوں نے کتاب السیرۃ کو بہترین انداز میں مرتب کیا اور اس کو ابن اسحاق کے شاگرد بکائی سے نقل کیا۔(۳۴)

ابن خلکان کہتے ہیں:

> یہی ابن ہشام ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مغازی و سیر مصنفہ ابن اسحاق کو جمع کر کے اس کو مہذب کیا اور اس کی تلخیص کی جس کی شرح سہیلی نے کی ہے اور یہی کتاب سیرت ابن ہشام کے نام سے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔(۳۵)

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ ان شاء اللہ میں اس کتاب کی ابتداء حضرت اسماعیل اور ان کی صلبی اولاد کے ذکر سے کروں گا۔ ہاں میں ایسے واقعات نقل نہیں کروں گا، جن میں نہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے اور نہ قرآن میں ان کے متعلق کچھ نازل ہوا ہے نہ ان کے ذکر کی کوئی وجہ ہے اور نہ ہی ان میں کسی واقعہ کی شہادت ہے۔ ابن اسحاق کی کتاب کے ایسے اشعار کو بھی چھوڑ دوں گا۔ جن سے میری تحقیق میں اہل علم ناواقف ہیں۔ نیز ایسی باتوں کا ذکر چھوڑ دوں گا۔ جن کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہے اور بعض لوگوں کی ناگواری کا باعث ہیں اور بکائی کی روایت سے ان کا ثبوت نہیں ہے ان کے علاوہ سب باتیں مفصل بیان کروں گا۔

سیرت ابن ہشام کی روایت اس کے مصنف سے ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ مصری نے کی ہے۔ ابن ہشام کی تصنیفات میں ایک کتاب شاہانِ حمیر کے انساب میں ہے اور ایک کتاب سیرت سے متعلق اشعار کی شرح میں ہے مگر جو مقبولیت و شہرت سیرت ابن ہشام کو حاصل ہوئی کسی اور کتاب کو نہیں ہوئی۔

ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی اندلسی (م۵۸۱ھ) نے الروض الانف کے نام سے سیرت ابن ہشام کی بہترین ضخیم شرح لکھی ہے اور ایک سو بیس سے زائد کتابوں سے اس کو مکمل کیا ہے۔

سیرت ابن ہشام کو سب سے پہلے جرمن مستشرق ویسٹن فیلڈ (Wustenfeld) نے ۱۸۶۰ء میں گوٹنگن سے اصل عربی میں شائع کیا۔ ایک مدت کے بعد یہ کتاب مصر میں کئی بار طبع ہوئی، ان طباعتوں میں بہترین ایڈیشن وہ ہے جسے مصطفیٰ السقا، ابراہیم ابیاری اور عبدالحفیظ شبلی کی تصحیح وتحشیہ سے مطبع مصطفیٰ بابی حلبی نے ۱۹۳۶ء میں قاہرہ سے چار جلدوں میں شائع کیا۔ سیرت ابن ہشام کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہو چکا ہے۔

سیرت کے مجال میں بعد کے مولفین نے انہی مصادر کو بنیاد بنایا اور ان کی روایت پر اعتماد کیا۔ گویا یہ مصادر سیرت کا بنیادی سرمایہ اور سرچشمہ ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی العسقلانی (م۸۵۲) --- فتح الباری شرح صحیح البخاری --- کتاب الجهاد والسیر - ج۲، ص ۳۔

۲۔ ایضاً۔ کتاب المغازی۔ ج۷ ، ص ۲۷۹

۳۔ حاکم، ابو عبداللہ، محمد بن عبداللہ النیسابوری ، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۲۳۸۔ تحقیق: ڈر معظم حسین۔ دائرۃ المعارف، حیدر آباد۔

۴۔ خطیب، ابوبکر احمد بن علی البغدادی۔ شرف اصحاب الحدیث۔ ص:۸

۵۔ قاضی عیاض، ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض۔ ترتیب المدارک۔ ج۱، ص ۶۷

۶۔ الصمیری، ابو عبداللہ حسینی بن علی القاضی (م ۴۳۶ھ)۔ اخبار ابی حنیفۃ و اصحابہ۔ ص ۷۵

۷۔ ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد۔ الطبقات الکبریٰ۔ ج۲، ص ۳۷۶

۸۔ حاجی خلیفہ۔ کشف الظنون۔ ج۲، ص ۴۷

۹۔ الذھبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (م۷۴۸ھ) سیر اعلام النبلاء۔

۱۰۔ ابن حجر العسقلانی۔ تھذیب التھذیب۔ ج۱، ص ۹۷

۱۱۔ ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد۔ الطبقات الکبریٰ۔ ج۵، ص ۱۰۴
۱۲۔ ایضاً۔ ج۵، ص ۲۱۰
۱۳۔ ابن کثیر، ابو الفداء الدمشقی۔ البدایہ والنھایہ، ج ۳، ص ۲۴۱
۱۴۔ ابن حجر عسقلانی۔ تھذیب التھذیب۔ ج۹، ص ۴۰
۱۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل الامام۔ الصحیح۔ ج ۳، ص ۱۰
۱۶۔ ابن عبدالبر، ابو عمر یوسف القرطبی۔ جامع بیان العلم۔ ج ۱، ص ۷۶
۱۷۔ ایضاً
۱۸۔ ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ۔ ج۲ ص ۳۹۹
۱۹۔ الرازی، ابو حاتم عبدالرحمان الحافظ۔ الجرح والتعدیل۔ ج۴۔ ص ۸۲
۲۰۔ ابن حجر عسقلانی۔ تھذیب التھذیب۔ ج ۱ ص ۲۶۲
۲۱۔ ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری۔ کتاب المغازی۔ ج۷، ص ۳۶۱
۲۲۔ ایضاً
۲۳۔ ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ۔ ج ۵، ص ۲۱۶
۲۴۔ الذھبی، محمد بن احمد بن عثمان۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ج ۱ ص ۱۴۰
۲۵۔ ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری، ج۸، ص ۱۲
۲۶۔ ایضاً
۲۷۔ ایضاً۔ ج۸، ص ۳۴
۲۸۔ الخطیب۔ احمد بن علی البغدادی۔ تاریخ بغداد۔ ج ۱، ص ۲۱۹
۲۹۔ ایضاً۔ ج ۱۳، ص ۴۲۸
۳۰۔ ایضاً
۳۱۔ ایضاً۔ ج ۳، ص ۵
۳۲۔ البلاذری، احمد بن یحییٰ (م ۲۷۹ھ)۔ انساب الاشراف۔ ج۵، ص ۱۱۰۔ القاہرہ
۳۳۔ الخطیب البغدادی۔ تاریخ بغداد۔ ج۵۔ ص ۱۳۱
۳۴۔ الذھبی، محمد بن احمد، العبر فی خبر من عبر۔ ص ۳۷۴
۳۵۔ ابن خلکان، شمس الدین ابو العباس، احمد بن محمد البرمکی الاربلی (م۶۸۱ھ)۔ وفیات الاعیان۔ ج ۱، ص ۳۱۵۔